ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

از

مولانا انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ

اگست 1957ء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(مولٰنا سیّد محمّد انظر شاہ کشمیری)

لم ار عبقریا یفری فریہ" - اسلام کے ابتدائی دور کی ضعیف و ناطاقتی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس دور کے متعلق خود قرآنِ حکیم نے فرمایا تھا کہ "اذ کنتم مستضعفین فی الارض" اسی بے بسی کے اوقات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے قیام و اشاعت کیلئے جن چند اشخاص و رجال میں غیر معمولی طاقت کو قوت کو محسوس کرکے، ان کے وجود سے اسلام کے مستفیض ہونے کی، بے اختیار دعا کی تھی، اُن میں اسلام کی وہ پُرعظمت ہستی بھی داخل ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص خلافت راشدہ کے دوسرے رکن، اور جن کے عظیم الشان کارناموں سے نہ صرف اسلام کی عظمت قائم ہوئی، اور اس کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا بلکہ اسلام کا صحیح اور مکمل نمونہ پیش کرنے کے لئے غالباً چند ہی اشخاص میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دینی حمیّت و غیرت، پُرجوش جدوجہد، شجاعت و شہامت اور اس کے ساتھ عدل و انصاف، تقویٰ و تورّع کی مختلف الانواع صفات، اس پیکر انسانی میں کچھ اس طرح جمع ہوگئی ہیں کہ اسلام بجا طور پر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عظیم شخصیت پر فخر کرسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف صفات و امتیازات سے آپ کی ذات گرامی جس طرح آراستہ و پیراستہ ہے، اسی کا تقاضا تھا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر تاثر کا اظہار فرمایا، جس کا مطلب یہی ہے کہ:۔

> "عمرؓ عبقری ہیں اور اپنی زندگی میں اس قدر منفرد کہ دوسرا شخص اِن کے کردار کو نبھاہ تک نہیں سکتا۔"

صادق و مصدوقؐ کی اس رائے و تاثر کی صداقت و سچائی پر حضرت عمرؓ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے ہر موڑ پر شہادت دیتے رہے، اور انسانی زندگی کا یہ ایک مثالی نمونہ تاریخ میں واقعی عبقری ہی لکھے جانے کا مستحق ہے۔

"مؤتمر اسلامی" نے گراں قیمت کتابوں کا جو ذخیرہ مصری علماء کی وساطت سے "دار العلوم دیوبند" کو ہدیۃً دیا ہے اُس میں "عبقریتِ عمرؓ" کے نام ہی سے ایک کتاب احقر کی نظر سے گذری، جی چاہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بے مثال زندگی، اور بے غبار کردار کی ایک جھلک، قارئین "دار العلوم" کے سامنے بھی پیش کی جائے۔

اِس صدی کا مسلمان، مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں، زندگی کے جن نازک ترین مرحلوں سے گذر رہا ہے، اس طرح کہ شوکت و طاقت سے بھی محروم ہے، اقتصادی و معاشی الجھنوں میں بھی گرفتار اور سیاسی اقتدار سے بھی بہت دُور، اِن حالات میں، اسلام کی انہیں چند شخصیتوں کے عبرت انگیز حالات، اور کوائف ہی سُننے اور سُنانے کی چیز ہے۔ کیا عجب ہے کہ اُمت کی موجودہ نسل انہیں رجال و اشخاص کی زندگی کو نمونہ بنا کر، روشنی کے اِن مناروں سے اپنے ٹمٹماتے ہوئے

چراغ روشن کر سکے۔ اس لئے کہ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فرزندانِ توحید جب تک اسی کردار و عمل کو اپنانے کی کوشش نہ کریں گے، جو آنحضورؐ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مخصوص اور امتیازی کردار ہے، اس وقت مسلمان خدا کی اس زمین پر اپنا حقیقی فریضہ ادا نہ کر سکیں گے امریکہ کی تقلید، یورپ کا فکر، کمیونزم کے تخیلات، امپریلزم کے افکار، اور سوشل نظریات وغیرہ ذلتوں کے گڑھوں میں کھینچ کر لے جانے والے تو ہیں لیکن قعر مذلت سے نکلنے اور نکالنے کا کام ان سے نہیں لیا جا سکتا۔ خاک نشینوں کو، خاک سے کاخ تک پہونچانے کا ذریعہ تعلیماتِ اسلامی ہی سے پیدا ہو سکتا ہے، وہی تعلیمات جن کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہیں اور جس کی سوتیں عمل بالقرآن اور عمل بالسنۃ سے نکلی ہیں، آج بھی انہیں حقائق پر عمل کرنے والے یہ کہتے ہوئے منزل کی طرف بڑی تیز گامی سے چلے جا رہے ہیں کہ

ع ؎ "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا"

لیکن اس کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ ابھی تک مسلمان کی عام آبادی دنیاوی زندگی کو، کامیاب بنانے اور آخرت کی فوز و کامرانی حاصل کرنے کے اس سچے اور پکے "گر" سے ابتک اس طرح کام نہیں لے رہی ہے جیسا کہ چاہئے تھا۔ لیکن مشرق وسطی سے لے کر پاکستان و ہند کے مسلمانوں کے زخمی جسم پر، استبداد و تشدد کے جو تازیانے برابر پڑ رہے ہیں ان کی مسلسل ضربیں اب انہیں کچھ جگا رہی ہیں اور بھولے بھٹکے مسافر، اپنی منزل کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں شاید اس دور ابتلاء پر ابن خطاب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات و سیر، دانا و بینا لوگوں کے کچھ کار آمد ہو سکیں، لکھنے والا تو بہر حال اس نیت سے لکھ رہا ہے:۔

"انما الاعمال بالنیات"

رعب فاروقی رضؓ!

پر ہیبت شخصیت اور پر عظمت ہستی کسی دعوت اور جماعتی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ رافت و لطف اور نرمی و لینت سے آراستہ داعی و رہنما۔ گویا کہ ایک جماعت کی ہیئت ترکیبی جن افراد سے تیار ہوتی ہے، ضروری ہے کہ اسکے مختلف افراد، متنوع صفات کے پیکر ہوں۔ اگر صدیقؓ ایسے لطیف المزاج اشخاص ہوں تو فاروقؓ جیسے حدید اور تیز طبیعت افراد بھی لابدی ہیں۔ اور نبی ان تمام مختلف اور متضاد صفات کا جامع ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر ایک طرف قرآنِ کریم نے آپؐ کے نرم خو، نرمی پسند، رحمۃ للعالمین ہونے کی اطلاع دی تو دوسری جانب خود "نصرت بالرعب" کے خصوصی امتیاز کی بھی خبر سنائی ہے اور عقلاً بھی نبی و پیغمبر کے لئے متضاد صفات سے، متصف ہونے کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ دعوت کی مرکزی شخصیت ہونے کے لئے اپنے مدعوئین کی مختلف خصوصیات کی رعایت ارشاد و رشد، ہدایت و رہنمائی کی کامیابی کی اولین شرط ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے، اور اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر، اپنے خلافت کے زمانے تک ان کا یہ وصفِ مخصوص خود ان کے لئے اور اسلام کے لئے بہت مفید اور کار آمد ثابت ہوا، خارجی فتنوں کے علاوہ داخلی انتشار و فشار، جو عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اچانک پھوٹ پڑا، ان کے دور میں، قلوب میں پرورش پا رہا ہو تو پا رہا ہو لیکن بظاہر وہ حجاز سے لیکر دور دور تک ایک "شئے نایاب" ہی تھا، دینی حمیت و غیرت کے مواقع پر حضرت عمرؓ کے لئے خاموش رہنا بہت مشکل ہوتا تھا، اور ان کے فطری جوش و خروش سے ان کے

رعب و دبدبہ کا امتزاج ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتا۔ موجودہ اصطلاح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "انتہا پسند" کہا جا سکتا ہے، اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکی حدت و سورۃ سے بے خبر نہ تھے۔ زیر بحث کتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک روز آپؐ نے صدیقؓ و فاروقؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"خداوند تعالےٰ بعض قلوب کو دودھ سے بھی زیادہ نرم بناتا ہے، اور کچھ لوگوں کے دل ارادہ اور عمل کی بڑی مضبوطی رکھتے ہیں، ابوبکر تمہاری مثال "ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام" کی سی ہے۔ انہوں نے فرمایا "من تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم"۔ یا پھر تم عیسیٰؑ کی طرح ہو جنہوں نے کہا تھا کہ "ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم" اور اے عمر تم تو بنے بنائے نوحؑ ہو جنہوں نے قوم کی مسلسل سرکشی پر چیخکر کہا تھا کہ "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا"۔ یا پھر موسیٰؑ سے ملتے جلتے ہو جن کا نعرہ تھا کہ "ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم"۔ (عبقریت عمرؓ ص۱۳)

عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے سلسلہ میں شدید تھے جس طرح کہ صدیق اکبرؓ کی نرمی و لینت دین ہی کے کاروبار میں ممتاز ہے، ورنہ جہاں تک حق کو قبول کرنے کا تعلق ہے، تو فاروق اعظمؓ کا قلب بھی اسی قدر فراخ و وسیع ہے جس قدر کسی حق پژوہ کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انعقاد خلافت کے وقت میں جب حضرت عمرؓ کی بیعت پر بعض صحابہؓ میں ان کی شدت و حدت پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

"لوگو! مجھ تک یہ خبر پہونچائی گئی ہے کہ تم میری شدت مزاجی سے ڈر رہے ہو، اور کہتے ہو کہ عمرؓ ہمارے معاملات میں بڑے شدید تھے حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے اور عمرؓ کی یہ تیزی اس وقت بھی قائم تھی جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ خلیفۃ المسلمین بنائے گئے، اب جبکہ وہ خود امیر بنائے جا رہے ہیں، تو خدا جانے کیا ہو اور کیا نہ ہو؟

خدا کی قسم! تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں آنحضورؐ کے ساتھ تو آپ کا غلام و خادم تھا اور آپؐ اس قدر نرم اور رافت پسند تھے کہ قرآن نے بھی "بالمؤمنین رؤف رحیم" کہکر آپ کی نرم پسندی کی تصدیق کی، میں آپؐ کے ہاتھ میں ایک تلوار تھا، جی چاہتا تو آپ مجکو نیام میں رکھ لیتے اور طبیعت چاہتی تو آپ مجکو کھینچ لیتے پھر میں شمشیر براں ثابت ہوتا، آنحضورؐ کی وفات ہوئی تو آپؐ مجھ سے راضی و خوش تھے یہ میری سعادت ہے الحمد للہ علی ذلک حمدا کثیرا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے معاملات کے مختار بنائے گئے تو ان کی نرمی کے ساتھ میری شدت کا امتزاج مفید ثابت ہوا، ان کیلئے بھی میرا وجود تلوار تھا، یا نیام رکھیں اور اگر نکال لیں تو میں قاطع و براں ثابت ہوں، میرا ابوبکرؓ کے ساتھ یہی طرز رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور وہ دنیا سے اٹھے تو مجھ سے خوش تھے میں اسکو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

لوگو! اب میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں مگر میری وہ شدت کم ہو گئی ہے، ہاں اہل جور و ستم،

ظلم و عدوان کرنے والوں کے حق میں، وہی عمر ہوں اور باقی دیندار اور سلامت روی اختیار کرنے والے سو اُن کے حق میں، تو میں بہت ہی نرم ہوں۔"

(عبقریت عمرؓ صـ۱۸)

لیکن اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فطری جلال و شکوہ کو یکسر ختم نہ کر سکے اور ان کے خداداد رعب و وقار سے، ہر شخص متاثر ہوتا تھا، مصنف نے اس موقعہ پر ایک دلچسپ واقعہ سُنایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

"ایک روز فاروق اعظمؓ حجامت بنوا رہے تھے، درمیان میں زور سے کھنکارے، تو حجام حواس باختہ ہو گیا، اور اس تصور سے کہ کہیں عمرؓ میری کسی بات پر نہ بگڑے ہوں بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا"

(ایضاً صـ۲۵)

کیا ٹھکانہ ہے اس رعب داب کا کہ صرف کھنکارنے کی وجہ سے حجام غش کھا کر گر پڑا، اور یہ تو بے چارہ پھر بھی حجام ہی تھا فاروق رضی اللہ عنہ سے تو بڑے بڑے صحابہ بھی لرزہ براندام رہتے تھے، چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"ایک دن عمرؓ چلے جاتے تھے اور اُن کے پیچھے صحابہؓ کی ایک جماعت تھی اچانک حضرت عمرؓ کو کوئی کام یاد آیا جس کی وجہ سے بڑی پھرتی کے ساتھ پیچھے مُڑے تو تمام صحابہ گھٹنوں کے بل گر پڑے"

(ایضاً صـ۲۴)

بلکہ مصنف کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اس مخصوص رُخ کی رعایت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ لکھا ہے کہ:۔

"عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حریرہ پکایا اور سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن سودہؓ برابر انکار کرتی رہیں، حضرت عائشہؓ نے بڑے اصرار اور رد و قدح کے بعد تفنناً و مزاحاً حریرہ سودہؓ کے چہرے پر لگا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کی طرف حریرہ بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ تو تم بھی عائشہؓ کے چہرے پر لگا دو، آپؐ یہ کہتے جاتے اور تبسم فرماتے اتنے میں حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے تو آپؐ کو محسوس ہوا کہ عمرؓ یہیں آئیں گے، اس لئے آپؐ نے سودہ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا، جلدی کھڑی ہو جاؤ، اور اپنے چہرے دھو لو، عمرؓ آتے ہیں۔"

(ایضاً صـ۲۳)

لینت و رقت!

لیکن اس کے باوجود وہ صرف ایک خشونت مزاج شخص ہی نہیں تھے بلکہ اُن کے قلب میں رقت و نرمی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور سوز و گداز کے مواقع پر موم کی طرح پگھل جاتے، قلب کی آنکھیں بھی اشکبار ہوتیں۔ چنانچہ متمم ابن نویرہ مشہور شاعر سے جب اُن کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اُس کو اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھنے کا حکم دیا، نویرہ پڑھتے ہوئے جب ان دو شعروں پر پہونچا کہ ؎

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ
من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی و مالکا
لطول افتراق لم نبت لیلۃ معاً

تو حضرت عمرؓ کو بے اختیار اپنے مرے ہوئے بھائی کی یاد آ گئی اور رخسار پر آنسو ڈھلک آئے۔

• مصنف نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

"اگر حضرت عمرؓ کو کبھی دوست یاد آ جاتے تو قریب میں سُننے والے عمرؓ کی زبان سے بار بار سُنتے کہ:۔
"ہائے رات کتنی لمبی ہو گئی"

اور صبح ہوتے ہی نماز پڑھتے اور سیدھے اُس دوست کے یہاں پہونچ جاتے، معانقہ کرتے اور دوست کی مُلاقات سے خوش وقت ہوتے۔ اور پھر ان کی یہ طبعی نرم پسندی انسانوں سے گزر کر جانوروں کے حق میں بھی پُوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی، سیبؓ ابن دارم اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ :-

"ایک روز عمرؓ ایک اُونٹ والے کو مارتے ہوئے اور ڈانٹتے ہوئے دیکھے گئے جس نے اپنے اونٹ پر بہت زیادہ بوجھ لاد رکھا تھا" (ص ۵۶)

- خارشتی اُونٹوں کے زخم اپنے ہاتھ سے دھوتے، اور اُن کی دوا دارو کرتے، کہتے تھے کہ :-

"کہیں تمہارے بارے میں بھی مجھ سے سوال و جواب ہو"

محاسبہ!

اُن کو اپنے محاسبہ کا یہاں تک خیال تھا کہ ہر وقت انکی زبان پر یہ کلمہ رہتا کہ :-

"اگر فرات کی موجوں میں بکری کا بچہ بھی مرگیا تو عمرؓ ہی سے اس کے بارے میں حساب کتاب ہو گا" (ص ۵۸)

دُنیا کے کاروبار میں محاسبہ اور یہ خیال " کہ ہم کو ہمارے افعال و اعمال کا حساب کتاب بھی دینا ہے" تقریباً ہر ہر فرد و بشر کے لئے ضروری ہے، اور پھر وہ اشخاص و رجال جو عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ داریاں اپنے دوش پر اُٹھائے ہوئے ہیں، اگر ان کی زندگی میں " محاسبہ" کا یقین و اذعان ثانوی حیثیت رکھتا ہے تو اجتماعی زندگی کو اتنا بڑا دھکا لگتا ہے جس کا تدارک آسان نہیں بلکہ بہت دُشوار ہے۔ کمیونسٹ ممالک ہوں یا امپیریلزم دوست سلطنتیں، جمہوریت ہو یا ڈکٹیٹر شپ بہر حال ہر جگہ حل و عقد سے تعلق رکھنے والے ارباب، اور نظم و نسق کے ذمہ دار اعمال و کردار میں " محاسبہ" کے یقین کو اس طرح فراموش کئے بیٹھے ہیں کہ ان کی زندگی میں

محاسبہ کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دُنیا کی تباہی و بربادی، ارباب سیاست کی اغراض پسندیاں، اور اس کارخانۂ عالم کا فساد، معاشرہ کا اختلال بہت حد تک اسی "ترکِ یقین" کا بدیہی نتیجہ ہے۔ فاروق رضی اللہ عنہ، اپنے اعمال کی جواب دہی ایک لابدی امر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خلافتِ عمرؓ کا مختصر مگر روشن و تابناک زمانے کا کاروبار بھی صدیوں سے فائق چلا آرہا ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ دُنیا اپنی ہمہ جہت اور ہمہ گیر ترقیوں کے باوجود " ابن خطاب" کی مثال خلافت کا ادھورا اور نامکمل خاکہ بھی پیش نہیں کرسکی۔ فرات کی موجوں میں، بکری کے بچہ کی غرقابی بھی عمرؓ ہی کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ مواخذہ و محاسبہ کے اس یقین کامل کا کیا ٹھکانہ ہے۔

عمرؓ کی اس خصوصیت کا دلچسپ اور عبرت افزا خاکہ پیش کرتے ہوئے مصنف نے یہ عجیب و غریب واقعہ سُنایا ہے کہ :-

"ایک روز" زیاد" حضرت عثمانؓ کے پاس اُن کے دورِ خلافت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک حضرت عثمانؓ کا بچہ آیا اور چاندی کا کوئی سکہ بیت المال سے لے کر چل دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے منع نہیں کیا۔ زیاد اس پر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ آخر کیوں رو رہے ہو؟ زیاد نے کہا کہ ایک روز میں یہیں، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عمرؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ابن عمرؓ آئے اور بیت المال سے کچھ لے کر بھاگ پڑے، عمرؓ نے چیخ کر کہا، پکڑ لو اور چھین لو، چھیننے والوں نے اس زبردستی سے چھینا کہ عمرؓ کا بچہ زار و قطار دھاڑیں مار کر رونے لگا، اور آپ کے بچہ نے جو کچھ لینا چاہا لے لیا، اور آپ کی طرف سے نہ ڈانٹا گیا نہ دھمکایا گیا"

زیاد کی اسی بروقت گرفت و انتباہ کا جواب ذوالنورینؓ نے

دیتے ہوئے کہا کہ :-

"عمرؓ اپنے اعزہ واقرباء کو بیت المال سے کچھ دینے پر مرضیاتِ خداوندی کو حاصل کرنے کے لئے روکتے تھے اور میں بھی ابتغاءً وجہ اللہ اپنے اہل و عیال کو منع نہیں کرتا"

اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ زیاد اب تم :-

"عمرؓ کی مثال نہیں پاؤ گے، عمرؓ کی اب کوئی نظیر نہیں، عمرؓ کا نمونہ ملنا بڑا مشکل ہے۔" (ص ۲۵۹)

اور بات بھی کچھ ایسی ہے کہ اس قرن میں بھی فاروق اعظمؓ اپنی خصوصیات میں یکتا و یگانہ ہی رہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ جان پہچان کر ہی آپ کو "عبقری" فرمایا تھا۔

مُلکی احوال کا تجسس اور حکام کی خبر گیری!

اعمال و کردار میں محاسبہ کے یقین کامل ہی کا نتیجہ تھا کہ عمرؓ اپنے حکام و ولاۃ کے اعمال و اقوال کی بھی بڑی تندہی سے خبر گیری کرتے تھے، اور اُن کے جزئی حالات پر بھی اتنی کڑی نظر تھی کہ کوئی بھی عامل اپنے صحیح حالات و کوائف حضرت عمرؓ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ امیر المومنینؓ نے اس سلسلہ میں جو اقدامات کئے تھے، مصنف نے انہیں کی تفصیل، بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن سب کے ساتھ خود عمال و حکام کو بھی حکم تھا کہ :-

"اپنے اپنے صوبوں میں روانہ ہوتے وقت اپنے تمام سامان اور اشیاء کی فہرست مرکزی گورنمنٹ کے سپرد کر کے جائیں اور رخصت کے ایام گھر پر گذارنے کے لئے آئیں تو اپنا تمام سامان مملوکہ پر نظر کرائیں اور دن کے وقت میں "مدینہ" میں داخل ہوں تاکہ عوام و خواص دیکھ سکیں کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے اور کیا نہیں؟"

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مرکزی خلافت کے پاس محفوظ فہرست سے اشیاء کی تعداد بڑھ جاتی تھی تو عمرؓ براہ راست سخت :-

"مواخذہ و محاسبہ کرتے اور حکام کو بتانا پڑتا کہ یہ سامان اور دیگر اشیاء آخر کہاں سے حاصل کیں؟" (ص ۱۶۰)

لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عمرؓ بڑے سخت گیر اور بے موقع و محل تشدد پسند تھے، ہرگز نہیں۔ انہوں نے جہاں اپنے عمال و حکام پر یہ پابندیاں عائد کی تھیں تو دوسری جانب اس کی بھی کوشش کی گئی تھی کہ مشاہرہ اتنی بڑی مقدار میں بروقت حکام کی جیب تک پہنچایا جائے جس کے بعد جلبِ زر کے ناجائز راستے اور زر اندوزی کی غیر اخلاقی راہیں خود بخود بند ہو جائیں۔ چنانچہ اس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"عمار ابن یاسرؓ کو جب کوفہ کا والی منتخب کیا گیا ہے تو ان کا مشاہرہ "۶۰۰" درہم تھا۔ عثمان ابن حنیف کے "۱۵۰" درہم اور عبداللہ ابن مسعود کے "۱۰۰" درہم ماہوار تنخواہ تھی، بکریاں، غلہ کی بڑی مقدار، سالانہ اور وقتاً فوقتاً بڑے بڑے عطیات جن کی تعداد بعض اوقات پانچ پانچ ہزار درہم پہونچ جاتی تھی، وہ اس مشاہرہ سے علیحدہ رہے۔" (ص ۱۶۱)

حکام کو اس قدر مالی وسعت دینے کے باوجود خود اپنی ذات پر خلافت کے کاروبار سے غیر استحقاقی طور پر ایک کوڑی بھی استعمال کرنے کے روادار نہیں تھے۔ چنانچہ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ امیر المومنین خود اپنے لئے کیا پسند فرمائیں گے؟ تو اسی سوال کے جواب میں فرمایا :-

"عمر کے لئے اللہ کے مال سے دو حلّوں کے سوا اور کچھ بھی جائز نہیں، ایک لباس جو سردی میں کار آمد ہو، اور دوسری پوشاک جو موسم گرما

میں کفایت کرے۔" (ص۱۶۱)

بڑی بڑی سلطنتوں کے تاجدار، نام نہاد جمہوری حکومتوں کے وزراء خواہ وہ مرکزی ہوں یا صوبائی تعیش اور راحت کوشی کی جو پر کیف اور پرسرور زندگی گذار رہے ہیں، محاصل اور ہزارہا ٹیکس کے عنوانات پر غریب عوام کی دولت کو لوٹ کھسوٹ کر دُنیا بھر کے لذائذ اور تعیش لوازمات کو بے دھڑک پورا کر رہے ہیں وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کہ فارس و عجم، نوشیرواں اور کسریٰ کی حکومتوں کو اُلٹنے والا باشوکت و حشمت فاروق اپنی ذات خاص پر عوام کی خون و پسینہ کی کمائی ہوئی دولت، کس حد تک خرچ کرنے کا روادار تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو حکومتیں دُنیا میں قائم ہوئیں آجکل حکومتوں کے کاروبار میں ان سے سبق نہ لے کر دُنیا اپنا بڑا نقصان کر رہی ہے۔

عوام وحکام کا باہمی رشتہ!

حکومت متسلط کے ذمّہ دار اور رعایا کے افراد میں جو کشاکش، ہمہ اوقات قائم رہتی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ آئے دن ہڑتال، اسٹرائک، ستیہ گرہ، توڑ پھوڑ، اور اکثر ملوں اور کارخانوں میں ابتری پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، استبداد پسند گورنمنٹ تو درکنار جمہوری طرز پر کام چلانے والی حکومتیں بھی اس بڑھتے ہوئے مرض کا علاج اور مؤثر مداوا دریافت کرنے سے تقریباً عاجز ہیں بھوک اور افلاس سے پٹے ہوئے عوام، حکومت کے کاروبار پر منتقمانہ انداز میں حملہ آور ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں کروڑہا بلکہ اربوں روپے کا نقصان سامنے آتا ہے، جواب میں حکومت وقت بپھرے ہوئے شیر کی طرح دوڑتی ہے جس سے ہزاروں اور لاکھوں عوام گولیوں کا نشانہ بنجاتے ہیں، کُشتوں کے پشتے لاشوں کے ڈھیر، خون کی ندیاں، زخمیوں کی چیخ و پکار، یتیموں اور بیواؤں کے نالۂ وشیون اور ان حسرت انگیز و دہشت خیز آوازوں میں گولیوں کی خوفناک آوازیں ہر وقت اور ہر جگہ سُنی جا سکتی ہیں، عوام اور حکومتوں میں یہ کشاکش اور منافرت یقیناً اِس بات کا نتیجہ ہے کہ دونوں طبقے اپنے حدود اور اپنی ذمّہ داریوں سے بالکل ناواقف ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی دن دونوں جماعتوں کو ان کی حقیقی ذمّہ داری، اور حدود سے واقف کیا۔ چنانچہ مصنّف نے لکھا ہے کہ:۔

"حکام کو بار بار کہتے، تم رعایا کے خادم ہو، اور عوام کو تنبیہ کرتے کہ یہ تمہارے والی ہیں ان کی اطاعت کرو اور سرکشی و عدوان سے ہرگز کام نہ لو"

اور اس کے ساتھ حکام کو یہ بھی بتایا جاتا کہ:۔

"تمہارے اور عوام میں کوئی فرق نہیں اور نہ کوئی امتیاز بجز اِس کے کہ تم ان کے اُمور کے نگراں اور ذمّہ دار ہو" (ص۱۶۳)

اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب عوام اور ذمہ دار کو بڑی قوت کے ساتھ اپنے اپنے حدود کو پیہم بتایا جا رہا ہے اور وہ بھی سمجھ رہے تھے، تو پھر مُلکی ترقی، خوشحالی کی کیا حالت ہوگی؟ اور رعایا اور حکام میں یگانگت، اور رشتۂ اتحاد کس قدر مضبوط و پائیدار ہوگا۔ موجودہ حکومتوں کی بہت سی بے چینیاں عمر رضی اللہ عنہ کے اِس طریق کار پر کاربند ہونے سے یقیناً ختم ہو سکتی ہیں۔

دُور رس نگاہ!

امیر المومنین کو جو فراست اور سوجھ بوجھ قُدرتی طور پر حاصل تھی، اِسی کا نتیجہ تھا کہ وہ مفاسد کے چھوٹے چھوٹے بلکہ بڑے حقیر رخنوں پر بھی نظر رکھتے تھے اور اجتماعی و انفرادی زندگی زندگی میں جن گوشوں سے بھی بُرائیوں کے پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہوتا، فوری طور پر اُن کو بند کیا جاتا۔ چنانچہ ایک شخص کو صرف اِس وجہ سے پیٹا گیا:۔

"کہ وہ اکڑ اکڑ کر چلتا، عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کی تو

بولا کہ میں اپنی طبعی رفتار کو بدلنے پر قادر نہیں
پیٹا، لیکن رفتار وہی رہی۔ پھر پیٹا گیا تو رفتار
بدل چکی تھی اور دعا دیتے ہوئے بولا کہ :۔

"امیر المومنین! خداوند تعالےٰ آپ کو جزائے خیر
دے، اپنے شیطان سے پیچھا چھڑا دیا" (ص۲۰۲)

لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو دیکھا جو بیش قیمت لباس پہنے ہوئے بہت اکڑ اکڑ کر چل رہی تھی، دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ باندی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی درّہ سے مارا، اور کہا کہ :۔

"شریف اور بڑے گھر کی عورتوں سے مشابہت
پیدا کرنے کے لئے اکڑ کر چلتی ہے" (ص۲۰۱)

ایک شخص کو دیکھا گیا کہ سر کو جھکائے ہوئے مصنوعی، صوفیانہ انداز میں چلا جا رہا ہے، پیچھے سے عمرؓ کا سر پر درّہ پڑا اور اس کے ساتھ ایک گرجدار آواز کہ :۔

"سر اٹھا کر چلو، زہد و اتقا اِس کا نام نہیں"

امیر المومنین کی زندگی کے اِن چند واقعات اور مثالوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اُن کی دُور بین نظر اور مومنانہ فراست کے حدود اور بال و پر کس قدر وسیع اور کتنے مضبوط تھے ۔ چھوٹی سی چھوٹی اور حقیر سی حقیر چیز پر ان کی نظر تھی اور مفاسد کے تعفن انگیز پھوڑوں اور زخموں پر نظر رکھنا اور پھر ان کا کامیاب و مؤثر مداوا کرنا صرف عمرؓ ہی کی خصوصیت ہے ۔

خشک مزاج فاروقؓ!

مؤرخین کا قلم فاروقؓ کا سراپا کچھ اِس طرح تیار کرتا ہے کہ وہ بہت خشک مزاج اور تشدد پسند اور سخت گیر قسم کے آدمی تھے، جن کی طبیعت میں لچک نہیں تھی، اور انتہا پسندی کے خاردار تار ان کے حدود اربعہ پر کھنچے ہوئے ہیں، اس قلمکاری اور تصویر کشی میں یورپ کے متعصب مؤرخین کے ساتھ اسلام ہی کے حلقے سے وہ ناواقف بھی شریک ہو گئے جن کو فاروقؓ کی عدالت و نصفت پسندی ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور چاہتے ہیں کہ زبردستی بلکہ خواہ مخواہ فاروق اعظمؓ کی شخصیت، کو کسی نہ کسی عیب اور کسی نہ کسی برائی کے ساتھ ملوث کر چھوڑیں ۔ خدا جانے دیوانوں کی یہ جماعت تاریخ کی اِن موثق شہادتوں کو جن سے ان کے مزعومات و باطل دعاوی کی تردید ہو رہی ہے تاریخ کے صفحات سے کھرچ کر پھینکنے کی کیا صورت سمجھے و سوچے بیٹھی ہے۔ صاف بات ہے اور بہت بے غبار حقیقت کہ جب تک تاریخ کے صفحات اِن حقائق سے مزین و آراستہ ہیں اُس وقت تک فاروق اعظمؓ امیر المومنین کے سراپا کو بگاڑنے والے اس جد و جہد میں اپنی ہی شخصیت اور زندگی کے خد و خال بگاڑتے رہیں گے۔ لیکن مقالہ نگار کی یہ معروضات بھی بے انصافوں کے ہنگاموں اور شور و غل میں صدا بصحرا سے زیادہ حیثیت رکھتی ہیں ۔ ع

"مرد ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر"

اِس لئے بہتر یہی ہے کہ مورخین کی تعریفات کے اِس سلسلے کو چھوڑ کر جو یقیناً بے اثر اور غیر مفید ہی ہے ابن خطابؓ کی سیرت سے چند وہ گوہر پارے سامنے لائے جائیں جن سے انفرادی و اجتماعی زندگی کے جھمیلوں میں معلوم ہوگا کہ اسلام کا یہ غیور فرزند کس درجہ شاداب مزاج، اور تر و تازہ طبیعت کا مالک تھا۔

مصنّف نے لکھا ہے کہ :۔

"حضرت عمرؓ شعر و ادب سے بھی کافی ذوق رکھتے
تھے، ایک رات مکہ کی طرف جانے والے قافلہ
میں شعر پڑھنے کی آواز آئی، تو عمرؓ بھی اپنی اونٹنی
دوڑاتے ہوئے وہاں جا پہنچے، کچھ دیر صبح تک
شعر سنتے رہے، رات کا آخری حصہ تھا جلدی
ہی اذان ہو گئی اور آپ نماز کے لئے مسجد میں تشریف ..."
(ص۱۵۸ ج۲)

اِسی طرح امیر المومنین کے ڈھلے ہوئے اور شگفتہ شعر و شاعری کے ذوق کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"کبھی کبھی اشعار لہک لہک کر پڑھتے رہتے۔
تا آنکہ صبح ہو جاتی" (ص۱۲۱)

سچ یہ ہے کہ عسکری مزاج فاروقؓ، روز و شب کی مسلسل اور انتھک محنتوں اور مشغولیتوں کے بعد ایسے دِل کش و دلفریب مشاغل سے لطف اندوز ہونے کے بہت زیادہ ضرور متمند بھی تھے، تاہم کم از کم اِن واقعات سے اِس قدر تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی پر خشک پسندی و خشونت آمیزی کا الزام غلط ہے۔ یہ تو عمرؓ کی انفرادی زندگی تھی، لیکن اجتماعی زندگی کی حد تک تو ان کے یہاں اِتنی وسعت ہے کہ شاید ان کی زندگی کے خاص اس رخ کو مکدر کرنے والے کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے زیادہ کچھ نہیں پا سکیں گے

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ "انطاکیہ" میں مسلمان فوجوں کو زیادہ دنوں تک ٹھیرنے نہ دیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اِس شاداب علاقہ کے دلفریب مناظر اور خوشگوار آب و ہوا، رعنائی و دِل کشی، فوجوں میں تعطل اور سستی پیدا کر دے، اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو مسلمانوں کا عسکری نظام ٹوٹ جائیگا اور جنگی مہمات پر مسلمان بُری طرح پٹ جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اِسی سفارش پر جو کچھ تحریر فرمایا سُنانے کی صرف وہی چیز ہے، لکھا تھا کہ :-

"خداوند تعالےٰ نے متقین اور اعمال صالحہ کرنیوالے مومنین پر اپنی نعمتیں حرام نہیں کیں۔ چنانچہ اُس کا ارشاد ہے کہ "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا انی بما تعملون علیم" (ص۱۳۷)

یہ ہیں وہ عمرؓ جن کو مورخ کی قلم کاری ایک سخت گیر، متشدد اور تارک الدنیا ثابت کرنے پر تُلی ہوئی ہے، یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں بڑا توسع تھا اور وہ ہمہ گیر مزاج کے مالک تھے، ہاں اِتنا ضرور تھا کہ "بیت المال" کے اموال میں تصرف ذرا بھی جائز نہیں رکھتے تھے، اپنے ذاتی اندوختہ سے بڑی فراغت کے ساتھ اپنی ذات پر، احباب پر اور اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ ابن الیمان کا بیان ہے کہ ایک روز میں عمرؓ کے پاس سے گذرا تو انہوں نے مجھے کھانے پر بُلایا، میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے عُمدہ روٹی اور بہترین روغنِ زیتون ہے، میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! آپ دُنیا کو تو اس کے کھانے سے منع کرتے ہیں اور خود کھا رہے ہیں، جواباً فرمایا کہ :-

"حذیفہ یہ میرا اپنا مال ہے اور جس سے منع کرتا ہوں وہ مسلمین کے اموال ہیں" (بحوالہ کنز)

بات اصل میں وہی ہے کہ سمجھانے والے، حضرت عمرؓ کی اِسی احتیاط پسندی کو تشدد پسندی اور مصنوعی زہد کا نام دیکر بُرے بُرے عنوان سے سمجھا رہے ہیں، اِن ستم ظریفیوں پر اِس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ ع

"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

تیر اندازی اور شہسواری!

عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور بلکہ شہرۂ آفاق شجاعت و بہادری غیر معمولی قوتِ جسم، جسکے واقعات عوام کی زبانوں پر بھی سُنے جاتے ہیں، یہ اُن کی وہی جلادت اور قوت ہے جس سے اسلام کو بھی بہت بڑا فائدہ پہونچا۔

مصنف نے اِس سلسلہ میں یہ بھی ایک عجیب دلچسپ روایت سُنائی ہے کہ عمرؓ چاہتے تھے کہ مسلمان بچوں کو بھی پہلے دن سے بہادری اور شجاعت کے سبق پڑھائے جائیں تاکہ تاناشاہ اور محمد شاہ رنگیلے کے بجائے، اُمت میں ہر وقت خالدؓ و ابو عبیدہؓ، عمرو ابن عاصؓ، جیسے مشہور اور بیباک جرنیل پیدا ہوتے رہیں اور ایک کھیپ کے بعد دوسرے کھیپ......

(باقی آئندہ)

بقیہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سامنے آگر جانیوالوں کی جگہ لیتی رہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

حضرت عمرؓ کو اصرار تھا کہ مسلمان بچوں کو شہسواری، تیر اندازی کی تعلیم مکمل طور پر دی جائے۔" (ص ۱۲۸)

اگر پچھلے اسی زریں اصول پر عمل کرتے رہے، تو مسلمانوں کی تاریخ میں واجد شاہ اور محمد شاہ کے ایسے قصّوں کے بجائے جن میں نسوانیت کے شرمناک اور عبرت انگیز مواقع بکثرت آتے ہیں، ہمّت و بے باکی، شجاعت و بہادری کے انمٹ تذکرے نظر آتے، واجد علیشاہ کی لُطف اندوزیاں اودھ کی حکومت کا تختہ نہ اُلٹتیں، اور مغلیہ خانوادہ کی عیش سامانیاں مُسلمانوں کو بے تخت و تاج نہ بناتیں۔ ایک طرف دوسری قومیں فتح و سربلندی کی طرف بڑھ رہی ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کی خصوصیات اُنکی بداعمالیوں کے سبب دوسری قوموں کا طرۂ امتیاز بن رہی ہیں اس پر کیا کہا جاسکتا ہے سوائے اسکے کہ ؎

غمی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

بہرحال یہ تھے وہ عمرؓ جو اسلام کا غیور فرزند ہے، اسلام کے انقلاب آفریں دور کا سنگ میل ہے جس کا وجود اسلام اور مُسلمانوں کے لئے حصنِ حصین تھا، اور جس کی وفات نے ایک مثالی حکومت، ایک انصاف پسند خلافت اور ایک بیدار مغز سیاست کا دور ختم کر دیا۔ بلاشُبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی موت پر بالکل صحیح کہا تھا کہ:۔

"ان موت عمر ثلمۃ فی الاسلام لا ترتق الی یوم القیامۃ"